صائمہ اکرم چوہدری

سیاہ حاشیہ



سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ ”پچھتاؤ گی۔“ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کر گئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔

✡ ✡ ✡

عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کر رہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔

عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔
عبداللہ پابند صوم و صلوۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کر رکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی ہو چکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔
عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔
عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔

ناولٹ



شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پر واک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑ جاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔
ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارحم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل جاوید کا انتقال ہو چکا ہے۔
نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اوریدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اوریدا کو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوا دیا ہے۔ بیٹا ماہیران کے پاس لندن میں ہے۔
اوریدا اور ارحم کی بہت دوستی ہے جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔
عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔

سعد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کررہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔
شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور باپ کو کسی مذہبی جنونی نے قتل کردیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔
آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑدی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں جاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برابھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔
اوریدا ارحم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارحم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کر دے دیتے ہیں' آغاجی کو یہ بات بری لگتی ہے۔
ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہو کر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے جو کسی مرد کی ہے۔
ارحم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔
مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کردیا تھا۔

عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔
عدینہ پر عبداللہ کی موت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بری طرح بدظن ہو جاتی ہے۔
شانزے جب بھی کوئی غلط کام کرنا چاہتی ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ رباب اسے سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غلط راستوں سے بچانا چاہتا ہے۔
ارسل شانزے کو زخمی ہونے پر تسلی دیتا ہے' وہ بتاتا ہے کہ ایڈ میں کام کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ شانزے اسے اپنا بھائی سمجھے۔
ارحم بہت اچھے نمبروں سے ایف ایس سی کرلیتا ہے۔ ڈاکٹر بینش اس خوشی میں ڈنر دیتی ہیں۔
عدینہ فیصلہ سنادیتی ہے کہ اسے ڈاکٹر نہیں بننا۔ یہ سنتے ہی آپا صالحہ شدید پریشان ہو جاتی ہیں۔

پندرھویں قسط

بختاور ابھی ابھی ٹیکسی کرکے بسوں کے اڈے تک پہنچی تھی۔ اسے لاہور سے پنڈی جانا تھا اور پھر وہاں سے مظفر آباد۔ لاہور سے پنڈی تک کا سفر اس نے بے آواز آنسوؤں کے ساتھ کیا تھا۔ سیاہ رنگ کے عبایہ میں اس نے بلیک اسکارف کے ساتھ اپنا منہ بھی ڈھانپا ہوا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں' جن کی سرخی اس کے اندرونی خلفشار کی گواہی دے رہی تھی۔

"بیٹا! کہاں جارہی ہو...؟" اس کے ساتھ بیٹھی خاتون نے اسے مخاطب کیا۔
"پنڈی..." بختاور نے مختصرا" جواب دیا۔
"مجھے لگتا ہے' تمہاری آنکھیں خراب ہو رہی ہیں۔ کہیں ڈسٹ الرجی تو نہیں۔" وہ خاتون اپنے حلیے سے خاصی پڑھی لکھی لگ رہی تھیں اور ان کی گود میں آج کا تازہ اخبار رکھا ہوا تھا۔

"جی، الرجی ہے مجھے۔" اس نے نمکین آنسوؤں کے گولے کو حلق میں دوبارہ دھکیلتے ہوئے جواب دیا۔

"کون سی میڈیسن استعمال کرتی ہو۔۔۔؟" ان کی دلچسپی بختاور کو کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

"جو مل جائے۔" اس نے صاف انہیں ٹالا۔

"اچھا۔ میں تمہیں کچھ میڈیسن لکھ کر دیتی ہوں، وہ استعمال کرو، ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔" وہ نرمی سے گویا ہوئیں۔

"آپ ڈاکٹر ہیں کیا۔۔۔؟" بختاور کی زبان سے پھسلا۔

"ہاں۔۔۔" وہ مسکرائیں۔

"لاہور میں رہتی ہیں کیا۔۔۔؟" بختاور کو ایک دم ہی ان میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

"نہیں، لاہور تو میں ایک میڈیکل کانفرنس اٹینڈ کرنے گئی تھی۔" انہوں نے فوراً جواب دیا۔

"میڈیکل کانفرنس۔۔۔" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں انٹرنیشنل لیول کی تھی۔" انہوں نے لاپروائی سے بتایا۔

"پنڈی، اسلام آباد سے کون کون ڈاکٹرز آئے تھے وہاں۔۔۔؟" بختاور نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تو وہ حیران ہوئیں۔

"کافی سارے تھے، آپ کسی خاص کے متعلق پوچھنا چاہ رہی ہیں کیا؟"

"جی ڈاکٹر جلال کے بارے میں، بہت اچھے فزیشن ہیں وہ۔۔۔" بختاور کی بات پر اس خاتون کے چہرے بیزاری اور کوفت کا تاثر نمایاں ہوا۔

"معاف کرنا بیٹا! ڈاکٹر تو بہت اچھے ہیں لیکن اپنی اولاد کی پرورش ڈھنگ سے نہیں کی انہوں نے۔"

"آپ جانتی ہیں انہیں۔۔۔؟" بختاور کو لگا جیسے اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔

"ہاں ان کی بڑی بیٹی کے ساتھ میرے بھانجے کی بات چیت چلی تھی، پھر پتا چلا اس نے کسی یونیورسٹی فیلو سے شادی کرلی ہے اور۔۔۔"

"اور کیا۔۔۔؟" بختاور نے بے تابی سے ان کی بات کاٹی۔

"تم کیسے جانتی ہو انہیں۔۔۔؟" وہ اپنی بات بھول کر غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"ان کی چھوٹی بیٹی طیبہ، میری بہن کی بہت اچھی دوست ہے۔" بختاور نے جلدی سے بات بنائی اور وہ کچھ مطمئن ہو گئیں۔

"طیبہ کے ساتھ تو بہت برا کیا انہوں نے، اپنے کسی کزن کے دیہاتی سے بیٹے کے پلے باندھ دیا اور فوراً ہی شادی کردی۔ سنا ہے خوش نہیں ہے وہ۔" وہ خاتون بختاور کا سارا سکون درہم برہم کر گئیں۔

"اور ان کا بیٹا۔۔۔؟" آنسوؤں کا پھندا بختاور کے گلے میں پھنس گیا۔

"وہ تو شاید انگلینڈ میں ہوتا ہے۔" وہ خاتون بہت اچھی طرح ان کے گھر کے حالات سے واقف تھیں۔

"لگتا ہے، آپ کے فیملی ٹرمز ہیں ان کے ساتھ۔" اس نے یونہی پوچھا۔

"ارے نہیں بیٹا! ایک دفعہ ہی اپنی بہن کے ساتھ گئی تھی ان کے ہاں لڑکی دیکھنے، لیکن ملاقات نہیں ہو سکی، البتہ ڈاکٹر جلال سے تو اکثر ملاقات رہتی ہے۔ اسپتال میں، اور ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں۔۔۔" وہ سادگی سے بتانے لگیں۔

"تم کیا لاہور میں رہتی ہو۔۔۔؟" انہیں اچانک خیال آیا۔

"جی۔۔۔" بختاور نے سر جھکالیا۔

"اور میکہ کہاں ہے تمہارا؟"

"پنڈی میں۔۔۔" بختاور نے مختصراً بتا کر کھڑکی سے ٹیک لگالی۔ اس خاتون کی باتوں نے اس کا رہا سہا سکون بھی برباد کردیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار معصوم سی طیبہ کا چہرہ آرہا تھا اور وہ سمجھ سکتی تھی کہ بابا نے اس کی شادی اتنی اچانک کیوں کی ہوگی۔

"جس خاندان کی ایک لڑکی بھاگ کر شادی کرلے تو اس خاندان کی باقی لڑکیوں کو ساری زندگی اس کا تاوان بھرنا پڑتا ہے۔" بختاور کا دل احساس ندامت کے

گھرے احساس سے بھر گیا' اپنی زندگی تباہ ہونے کا تو دکھ تھا ہی لیکن طیبہ کی خوشیاں پامال کرنے کا دکھ اسے اور زیادہ بے چین کر رہا تھا۔ اس کے گناہوں کی فہرست بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔

اسے پتا ہی نہیں چلا' کب پنڈی آیا اور کب اس نے ٹکٹ خرید کر اپنا بیگ مظفر آباد جانے والی کوسٹر میں رکھا۔

وہ شدید ذہنی پژمردگی کا شکار ہو چکی تھی۔ اپنے وجود کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے اس نے خود کو کوسٹر پر سوار کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

موسم کافی بدل چکا تھا۔ ایک چمکیلی صبح جب موسم بہار کی ہوا ہر طرف اٹکھیلیاں کرتی پھر رہی تھی اور بندیا پانی کا پائپ پکڑے پودوں کو پانی دیتے ہوئے ہلکا ہلکا گنگنا رہی تھی' اچانک گیٹ کھلا اور اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ اس کی جانب چلا آیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔" بندیا نے آنکھیں سکیڑ کر اپنے سامنے کھڑے تیمور کو دیکھا۔

"جی جناب آپ کا خادم' تیمور جلال' آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکا ہے۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھے متبسم لہجے میں بولا۔ آنکھوں سے صاف شرارت جھلک رہی تھی۔ بندیا کو ایک دم ہی اپنے گندے حلیے کا احساس ہوا' وہ تین دن پہلے کا میلا سا کاٹن کا سوٹ پہنے' دوپٹہ کمر پر باندھے' بڑے گھریلو سے حلیے میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"بتا کر نہیں آسکتے تھے کیا۔" بندیا نے بوکھلا کر سب سے پہلے کمر پر باندھا ہوا دوپٹہ کھولا۔

"بتا کر آتا تو تمہاری آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کو کیسے دیکھتا۔" اس نے مسکرا کر ایک دفعہ پھر سر خم کیا۔

"کیسی ہو۔؟" وہ محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا ہوا اسے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"آپ اندر چلیں' میں حلیہ ٹھیک کر کے آتی ہوں۔" اس نے ہلکا سا جھینپ کر کہا۔

"پلیز' اس سرپرائز کو مت بتانا' میں آتے ہی اس کا مکار چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا۔" اس نے بندیا کے ساتھ چلتے چلتے شوخ لہجے میں گزارش کی' بندیا رکی اور گھور کر اسے دیکھا۔

"ظالم نظروں سے تم نہ مجھ کو دیکھو' مر جاؤں گا۔" وہ شرارتی انداز میں گنگنایا۔ بندیا نے شرما کر اس کے کندھے پر مکا مارا اور بینش کے پورشن کی جانب بھاگ گئی' اس کی آمد ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد بینش کے ہمراہ ہوئی تھی۔

"تمہاری سرپرائز دینے کی عادت گئی نہیں۔" بینش نے ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہی اس پر فقرہ کسا۔

"اس دفعہ تو ایسا سرپرائز دوں گا کہ ساری زندگی یاد رکھو گی۔" اس کا معنی خیز لہجہ بندیا کی دل کی دھڑکنوں کو منتشر کر گیا۔

"اچھا' وہ کیا۔" بینش فوراً بے تاب ہوئی۔

"ایسے ہی ہانک رہا ہے' تم لوگ بیٹھو ناں' کھانا کھاؤ۔" تائی اماں نے گھبرا کر بات بدلی۔ وہ دونوں بھی ڈائننگ ٹیبل کی کرسیوں پر براجمان ہو گئیں۔

تیمور کا یہ سرپرائز دورہ خاصا مختصر تھا' اس نے آتے ہی یہ بات سب کو بتا دی تھی۔ اس دفعہ تو بابا کا موڈ بھی خاصا خوش گوار تھا۔ رات کے کھانے پر سب ہی لوگ موجود تھے' بابا نے آغا جی اور بینش کو بھی بلوالیا تھا۔

"اگلے ہفتے میں اپنی ایک میڈیکل کانفرنس نبٹالوں' پھر تیمور اور بینش کے نکاح کی تقریب رکھ لیتے ہیں۔" انہیں اسی طرح اچانک اپنے فیصلے سنانے کی عادت تھی۔ تیمور نے بوکھلا کر اپنی ماں کا پریشان چہرہ دیکھا۔

"جی جی بھائی جان' جیسا آپ کہیں۔" آغا جی نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

"تایا ابا' میں بھی یہ میڈیکل کانفرنس اٹینڈ کرنے جاؤں گی آپ کے اور آغا جی کے ساتھ۔" بینش نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے فرمائش کی۔

"ارے ہاں ہاں۔ کیوں نہیں' میں وہاں سب کو بتاؤں گا کہ یہ ذہین و فطین ڈاکٹر میری ہونے والی بہو ہے۔" وہ خوشگوار لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی بیگم اور بیٹے کو سخت ٹینشن میں ڈال رہے تھے۔

"سن لیا ناں' تمہارا باپ کیا کہہ رہا تھا؟" رات کو موقع پاتے ہی اماں تیمور کے کمرے میں آگئیں۔

"آپ کیوں اپ سیٹ ہو رہی ہیں۔" وہ مطمئن تھا۔

"میڈیکل کانفرنس میں صرف چار دن رہ گئے ہیں اور تین دن کے بعد وہ واپس آکر نکاح کر دیں گے تمہارا۔" وہ جھنجلا کر بولیں۔

"ابھی پورے سات دن پڑے ہیں' ویسے بھی میں یہاں ہوں گا تو نکاح کریں گے۔" وہ مزے سے بولا۔

تیمور نے بھاگ دوڑ کر کے اپنی اور بندیا کی سیٹیں کنفرم کروالی تھیں۔ وہ ڈاکٹر جلال سے اپنے دوستوں کے ساتھ ناردرن ایریاز میں جانے کا کہہ کر ایک دن پہلے ہی گھر سے نکل آیا تھا' وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کی ماں کسی عتاب کا شکار ہو۔ اسی طرح بندیا نے بینش کو بتا دیا تھا کہ اس کے بابا اسے لینے کے لیے آ رہے ہیں اور وہ ایک ہفتہ اپنے گاؤں میں رہے گی۔ بینش نے مطمئن ہو کر باقی سارا گھر لاک کروا دیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا' ان شاء اللہ ایک ہفتے بعد ملاقات ہو گی۔" بینش خلاف توقع اس سے بڑے پرجوش انداز میں مل کر گئی تھی۔

جس وقت ڈاکٹر جلال لاہور پہنچے تھے' اس وقت تک تیمور' بندیا کے ساتھ پاکستان کی حدود سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل چکا تھا۔ ڈاکٹر جلال تین دن کے بعد لاہور سے اسلام آباد پہنچے تو ان کا یہی خیال تھا کہ تیمور اپنے دوستوں کے ساتھ ناران کاغان گیا ہے جبکہ بینش یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ بندیا اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے' اس سے پہلے کہ کسی کو تیمور اور بندیا کے جانے کا پتا چلتا' باہر سے آنے والی قیامت خیز اطلاع نے سب کے حواس گم کر دیے۔

مظفر آباد جانے والی ایک تیز رفتار کوسٹر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور گہری کھائی میں گرنے کی وجہ سے زیادہ تر مسافر انتقال کر گئے تھے۔ مسافروں کے سامان میں بختاور عرف ڈیزی کا شناختی کارڈ اور کٹی پھٹی ناقابل شناخت لاش ملی تھی' جسے ڈاکٹر جلال نے وصول کرنے سے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

"تم نے یہ سب کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا میرے بارے میں۔" ماہیر آندھی اور طوفان کی طرح شانزے کے فلیٹ میں پہنچا تھا' اور وہ جو اس وقت لاہور سے واپس آکر اپنا سامان کھول رہی تھی' اس اچانک حملے پر بوکھلا گئی۔

"آئی ایم سوری ماہیر۔ وہ۔۔" وہ گھبرا گئی۔

"مجھے یہ ایکسکیوزز مت دو شانزے! یہ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟ میری بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی کیا۔" وہ لمحہ آ ہی گیا تھا جس سے وہ ڈر رہی تھی' وہ بدگمان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ایکچوئلی۔۔" وہ بات کرنے کے لیے تمہید باندھ ہی رہی تھی کہ ماہیر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"مجھ سے غلط بیانی مت کرنا شانزے۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"اصل بات بتاؤں گی تو تم خفا تو نہیں ہو جاؤ گے؟" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"تو اب کون سا خوشی سے بھنگڑے ڈال رہا ہوں میں۔" غصے کی زیادتی سے اس کے ناک کے نتھنے پھڑپھڑائے۔

"آئی ایم سو سوری ماہیر۔" وہ انگلیاں مسلتے ہوئے بولی۔

"تم مجھے اصل بات بتاؤ شانزے ورنہ۔۔" وہ ایک دم جھنجلا گیا۔

"میں نے یہ پراجیکٹ اس لیے سائن کیا تھا کیونکہ۔۔"

وہ جھجک کر چپ ہوئی۔
"بولتی کیوں نہیں ہو تمہاری زبان پر مہر کیوں لگ گئی ہے۔" ماہیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر ایک آدھ تھپڑ لگا دے اسے۔
"کیوں کہ اس ڈفر نے مجھے گاڑی نہ ہونے کا طعنہ دیا تھا۔" شانزے کی بات پر ماہیر کو دھچکا لگا۔
"کس نے۔؟"
"یاور بیگ نے۔" شانزے نے خفت زدہ لہجے میں جواب دیا۔
"تم نے صرف پیسوں کے لیے اس سیریل میں کام کیا۔؟" اسے دھچکا لگا تھا۔
"ہاں، مجھے بہت برا لگا تھا کیونکہ میں اس وقت فٹ پاتھ پر کھڑی تھی۔"
"اس گدھے کی ہمت کیسے ہوئی، تمہیں گاڑی نہ ہونے کا طعنہ دے۔" ماہیر کا چہرہ سرخ ہوا۔ "تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"
"اس لیے کہ تم پاکستان میں نہیں تھے۔" وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی۔
"پھر گاڑی لے لی۔؟" ماہیر کا غصہ قدرے کم ہوا۔ شانزے نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔
"تم سے بڑھ کر بے وقوف لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔" وہ جھنجلا سا گیا۔ اس کی جھنجلاہٹ میں اس دفعہ ناراضی کا عنصر کم تھا، جسے محسوس کر کے شانزے نے سکون کی سانس لی۔
"ادھر بیٹھو اور غور سے میری بات سنو۔" ماہیر نے اسے بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔
"کیا ہوا۔؟" وہ گھبرا گئی۔
"میں نے پاپا سے تمہارا ذکر کیا ہے اور وہ تمہاری فیملی سے ملنا چاہتے ہیں۔" اس دفعہ پریشان ہونے کی باری شانزے کی تھی۔
"لیکن۔؟" وہ گھبرا گئی۔
"تو کیا شادی کرنے کا ارادہ بھی بدل دیا ہے تم نے؟" وہ بدگمان ہوا اور تیزی سے کھڑا ہو گیا۔
"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ماہیر، کیوں بچوں کی طرح بات بات پر خفا ہو رہے ہو۔" وہ بھی ہلکا سا جھنجلائی۔
"کیونکہ تم حرکتیں ہی مجھے چڑانے والی کرتی ہو، ابھی تمہاری اس سیریل میں کام کرنے والی بے وقوفی کو بھی سنبھالنا ہے مجھے۔" وہ منہ بنا کر ٹہلنے لگا۔
"خود بھی تو میڈیا کے لیے کام کرتے ہو۔" شانزے کو غصہ آیا۔
"ہاں تو میری تو جاب ہے وہ، بلکہ ایک طرح کا بزنس۔" ماہیر نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔
"اچھا اب یہ گھورنا بند کرو میں بات کرتی ہوں اپنی پھپھو سے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"تم پھپھو سے بات کر کے فوراً مجھے بتاؤ میں اب تمہیں مزید بچکانہ حرکتیں کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر بیٹھ گیا۔ اس کا موڈ بحال ہو چکا تھا اور ساتھ ہی سانسیں بھی ہموار انداز میں چلنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"میں تم سے ایک سو ایک دفعہ کہہ چکا ہوں کہ مجھے سڈنی نہیں آنا۔" ارصم کی غصے سے بھری آواز بینش کی سماعتوں سے ٹکرائی، وہ جو لان میں پائپ لگائے پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ ایک دم گھبرا گئیں۔
"تم نے جو کرنا ہے کر لو میرا فیصلہ یہی رہے گا۔" ارصم نے ٹھوکر مار کر لان کی سائیڈ والا دروازہ بند کیا اور باہر نکل آیا۔
"یہ بات تم مجھے نہیں اپنی ممی کو سمجھاؤ، ناٹس او کے۔" ارصم کی گفتگو بینش کے لیے اعصاب شکن تھی۔
"کیا ہوا ہے۔؟" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔
"ممی! یہ ارسلہ کو اپنی زبان میں سمجھا دیں کہ مجھے آسٹریلیا نہیں آنا، ورنہ اپنی منگنی کی انگوٹھی رکھے سنبھال کر۔" ارصم کا ناگوار لہجہ ہزاروں میل فاصلے پر موجود ارسلہ کو آگ لگا گیا۔

"کیا ہوا ہے آخر۔۔۔؟" انہوں نے اپنے اندر سے اٹھتی ہوئی ناگواری کی لہر کو بمشکل دبایا۔

"پوری دنیا باہر آنے کے لیے ترستی ہے اور یہ اس کے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔" دوسری جانب ارسلہ کا مزاج بھی آج سوا نیزے پر تھا۔

"اچھا میری عمیرہ سے بات کرواؤ۔۔۔ میں سمجھاؤں گی ارحم کو۔" بینش نے معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے' آپ ممی سے بات کرنے کے بجائے اپنے بیٹے سے پہلے بات کریں۔" ارسلہ کا گستاخانہ انداز بینش کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟" وہ بھی تھوڑا بدلحاظ ہوئیں۔

"یہ تو ارحم اپنے ذہن سے نکال دے کہ میں بھی اس کی خاطر پاکستان میں آکر رہوں گی' اس لیے اس نے جو فیصلہ کرنا ہے ابھی کرلے۔ کل کو نہ خود خوار ہو اور نہ مجھے کرے۔" وہ بھی ایک دم پھٹ پڑی۔

"اور اگر ارحم کا جواب ناں میں ہو تو۔۔۔؟" بینش بھی غصے میں آئیں۔

"تو میری طرف سے ابھی اور اسی وقت انکار ہے' آپ جہاں چاہیں' اپنے بیٹے کی شادی کرلیں' گڈ بائے۔" ارسلہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں ان کے اعصاب پر بم گرا چکی تھی۔

"تم اس طرح کیسے منگنی ختم کرسکتی ہو۔" بینش بوکھلائیں لیکن دوسری طرف سے کال ڈسکنکٹ ہو چکی تھی۔

"اب سکون آگیا؟ شوق پورا ہو گیا آپ کا۔۔۔" ارحم نے ناراضی سے ان کے ہاتھ سے سیل فون پکڑا۔

"وہ کیسے بات ختم کرسکتی ہے' میں تمہاری پھپھو سے بات کروں گی۔" بینش نے اپنی ڈوبتی نبضوں کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

"آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گی۔۔۔" ارحم نے انگلی اٹھا کر انہیں دوٹوک انداز میں وارننگ دی۔

"وہ تو بے وقوف ہے' نا سمجھ ہے۔" بینش نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"لیکن میں اس سے زیادہ بے وقوف نہیں بن سکتا' آپ نے جو کرنا تھا وہ کرلیا' اب میں وہ کروں گا جو میں چاہوں گا۔" ارحم کا سرد لہجہ انہیں پاتال کی گہرائیوں میں گرا گیا' انہوں نے خوف زدہ نگاہوں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا' جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بڑے ابا کے پورشن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دوسری طرف اوریدا ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی بڑی اماں سے اپنے بالوں میں ناریل کا تیل لگوا رہی تھی۔ ارحم لاؤنج کا دروازہ کھول کر ناراض انداز میں اندر داخل ہوا۔ بڑی اماں اور اوریدا دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو دھپ کرکے صوفے پر یوں بیٹھا تھا جیسے کوئی مسافر صدیوں کی تھکن کے بعد ایک دم زمین پر گر گیا ہو۔

"ارحم بیٹا! طبیعت ٹھیک ہے۔۔۔؟" بڑی اماں اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"بڑی اماں! میرے سر میں بھی مساج کردیں بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ آنکھیں بند کیے افسردہ انداز میں بولا۔

اوریدا کا دل دھک سے رہ گیا' اس نے کافی دن کے بعد اس دشمن جان کا چہرہ غور سے دیکھا تھا' آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے اور تھکا تھکا سا چہرہ اس کے اندرونی خلفشار کی عکاسی کر رہا تھا۔

"بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔۔۔" بڑی اماں نے اوریدا کو اپنے قدموں سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"پتا نہیں بڑی اماں۔۔۔" وہ اوریدا کی چھوڑی ہوئی جگہ پر آکر بیٹھ گیا' بڑی اماں نے ناریل کے تیل کے ساتھ اس کے سر کا مساج شروع کردیا' ارحم کو بہت عرصے کے بعد طمانیت کا احساس ہوا۔

"جاؤ' ارحم کے لیے اسٹرابری کا شیک بنا کر لاؤ۔" بڑی اماں نے کسی ہیلتھ جرنل میں سر دیے بیٹھی اوریدا کو اٹھایا۔

"جی بڑی اماں۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی آئی 'شیک بنا کر وہ اگلے ہی دس منٹ میں باہر تھی' جبکہ لاؤنج میں آتے ہی اسے حیرت کا جھٹکا لگا وہ مساج کرواتے کرواتے بڑی اماں کی گود میں سر رکھے سو چکا تھا۔

"اسے کیا ہوا...؟" اوریدا نے ہاتھ کے اشارے سے بڑی اماں سے پوچھا۔

"شش..." بڑی اماں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن اسی وقت ماہیر باہر سے شور مچاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"آج تو کمال ہو گیا بڑی اماں..." ماہیر کی پرجوش آواز پر ارصم کی آنکھ کھل گئی۔

"ارے تم تو یہاں نیند کے مزے لے رہے ہو' خیر تو ہے ناں..." ماہیر دھپ کر کے ارصم والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ جب کہ اوریدا دوبارہ سے جرنل میں سر دے کر بیٹھ گئی لیکن اس کا سارا دھیان ارصم کی طرف تھا۔

"جس طرح سے تم حلق پھاڑ کر چیخ رہے تھے 'کوئی شریف بندہ سو سکتا ہے۔" بڑی اماں کو اس پر غصہ آیا۔

"بات ہی ایسی ہے میں کیا کروں۔" وہ ہنسا۔

"کیا کوئی پرائز بانڈ نکل آیا ہے تمہارا۔" بڑی اماں نے منہ بنا کر اندازہ لگایا۔

"نہیں 'مزاجوں پر چھائی ہوئی سرد مہری کی برف تھوڑا سا پگھلی ہے۔" اس نے گھما پھرا کر جواب دیا۔

"کیا اوٹ پٹانگ بولے جا رہے ہو..." وہ جھنجلائیں۔

"بڑے ابا نے آج پاپا کی ساری میڈیکل رپورٹس منگوائی ہیں اپنے کلینک میں۔" ماہیر کی بات پر بڑی اماں 'اوریدا اور ارصم خوش گوار حیرت کا شکار ہوئے۔

"کیا واقعی بھائی...؟" اوریدا جھٹ سے اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں ناں 'اب اسی خوشی میں ایک بڑا سا گلاس میرے لیے بھی اسٹرابری شیک کا بنا کر لاؤ۔" ماہیر نے جھٹ سے فرمائش کی۔

"آپ یہ لے لیں..." ارصم جو کافی دیر سے گلاس ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا فوراً بولا۔

"ارے نہیں یار! تم پی لو' پتا نہیں آسٹریلیا میں ارسلہ بنا کر پلائے یا نہ پلائے۔" ماہیر اسے بڑے غلط موقعے پر چھیڑ بیٹھا تھا۔ ارصم کا چہرہ پل بھر کو متغیر ہوا یک دم وہ اٹھا اور غصے سے کمرے سے نکل گیا۔

"یہ تو مائنڈ کر گیا۔" ماہیر نے حیرانی سے بڑی اماں اور اوریدا کا چہرہ دیکھا جو خود بھی ہکا بکا تھیں۔

"تم نے ضرور اس سے ایسا مذاق کرنا تھا۔" بڑی اماں نے اپنے پوتے کی کلاس لی' اس سے پہلے کہ ماہیر ان کی بات کا جواب دیتا' بوا رحمت ہانپتی کانپتی بوکھلائے ہوئے انداز میں لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"بیگم صاحبہ بڑی دھماکے دار خبر لائی ہوں میں..." بوا رحمت کا جوش و خروش دیدنی تھا۔

"کیا ہوا' آغا جی نے اس عمر میں دوسری شادی تو نہیں کرلی..." ماہیر کی زبان پھسلی۔

"آئے ہائے' ماہیر میاں! یہ کیسا مذاق کر رہے ہو۔" بوا رحمت صوفے پر بیٹھ کر اپنی سانسیں بحال کرنے لگیں۔

"بوا اپنا بھی دو' کیوں پسلیاں بجھوا رہی ہو...؟" بڑی اماں کے لہجے میں ناگواری کا تاثر ابھرا۔

"آپ کو پتا ہے' ارصم میاں کی منگنی ٹوٹ گئی۔" بوا رحمت نے کمرے میں بم ہی تو پھوڑا تھا۔ اوریدا کے ہاتھ میں پکڑا اسٹرابری شیک کا گلاس ہلکا سا چھلکا۔

"منگنی ٹوٹ گئی' لیکن کیوں...؟" بڑی اماں تعجب سے بولیں۔

"اللہ ہی جانتا ہے' مجھے تو ان کی ملازمہ صغرا نے بتایا ہے کہ بینش بی بی اپنی نند سے فون پر جھگڑا کر رہی تھیں کہ آپ لوگوں نے منگنی توڑ کر اچھا نہیں کیا۔" انہوں نے اس دفعہ تفصیل سے وضاحت کی۔

"اوہ... اسی وجہ سے ارصم اتنے غصے میں اٹھ کر گیا ہے۔" ماہیر کو اصل معاملہ سمجھ میں آگیا تھا۔

اوریدا نے ہاتھ میں پکڑا گلاس سائیڈ میز پر رکھا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی' اس کے اندر ایک حشر سا برپا تھا۔ منگنی ٹوٹ جانے پر ارصم کا افسردہ سا رویہ اسے تکلیف دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہاشم کراچی سے واپس آیا تو ایک قیامت اس کی منتظر تھی' وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے خالی فلیٹ اور ڈرائنگ روم کی میز پر رکھے بختاور کے آخری خط کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دماغ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری تھا کہ وہ اسے یوں چھوڑ کر بھی جاسکتی ہے۔

ہاشم...!!!

تم سے محبت اور شادی میری زندگی کے دو ایسے گناہ ہیں جن پر اللہ تو شاید مجھے معاف کردے لیکن میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی' میں نے اپنے والدین کی دل آزاری کی۔ جس کا نتیجہ مجھے تمہاری صورت میں بھگتنا پڑا۔ بعض گناہوں کی سزا اللہ قیامت والے دن دے گا لیکن کچھ غلطیاں ایسی ہیں جس کی سزا انسان کو دنیا میں بھی ملتی ہے۔ تم وہ عذاب تھے جو ماں باپ کی نافرمانی کرنے کے جرم میں مجھ پر مسلط کردیے گئے۔ میں تمہارے ساتھ گزرے ایک ایک لمحے پر شرمندہ ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ مجھ پر رحم کرے اور مجھے معاف کردے۔ تمہاری بیٹی میں نے تمہارے بڑے بھائی کے سپرد کردی ہے' اگر زندگی میں کبھی تم نے واقعی ایک پل کے لیے بھی مجھ سے سچی محبت کی ہو تو تمہیں اس ایک پل کی محبت کا واسطہ' میری بیٹی کو اپنے جیسا مت بنانا' میں نہیں چاہتی کہ وہ قیامت کے دن میرا گریبان پکڑے۔ تمہارے لیے میں صرف ہدایت کی ہی دعا کرسکتی ہوں اور کرتی رہوں گی بختاور۔

ہاشم پاگلوں کی طرح ربوہ پہنچا تھا اور وہیں جاکر اسے پتا چلا کہ اعظم بھائی نے اس کی بیٹی کو اس کی بڑی بہن کے سپرد کردیا ہے' جو پچھلے کئی سالوں سے بے اولادی کا غم سہ رہی تھیں۔ اس نے اگلے ایک گھنٹے میں سب لوگوں کو حویلی میں اکٹھا کرلیا تھا۔

"تم لوگ میری بیٹی کو زبردستی کیسے رکھ سکتے ہو۔" وہ مشتعل ہوا۔

"میں مرجاؤں گی' لیکن اسے واپس نہیں کروں گی۔" اس کی بہن نے ننھی زینب کو زور سے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" ہاشم کی جیسے ہی اپنی بیٹی پر نظر پڑی' اسے بے ساختہ اس معصوم پری پر پیار آیا۔

"اکیلے کیسے پالو گے اسے۔" اعظم بھائی نے اسے تلخ حقیقت سے آگاہ کیا۔ "اور جس دن اسے تمہاری اصلیت پتا چلی' وہ بھی گھر چھوڑ کر ایسے ہی بھاگ جائے گی' جیسے اس کی ماں چلی گئی۔" اعظم بھائی کا تلخ لہجہ اس کا دل چیر کر رکھ گیا۔

"وہ کیوں کرے گی ایسا۔" ہاشم نے افسردگی سے کہا۔

"تم نے بھی تو اپنے والدین کی نافرمانی کی تھی' اس کی ماں نے بھی اپنے والدین کا دل دکھایا تھا تو تم کیسے اپنی اولاد سے اس چیز کی توقع نہیں رکھتے۔" اعظم بھائی استہزائیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔ "تمہاری بیٹی کو تو خود غرضی اور نافرمانی جینز میں ملی ہوگی۔"

"میری بیٹی ایسی نہیں ہوگی۔" وہ خوف زدہ نگاہوں سے ننھی زینب کے معصوم چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"سارے والدین کو اپنے بچوں پر ایسا ہی مان اور اعتماد ہوتا ہے' جو تم جیسی اولاد اپنے پیروں میں چل کر آگے بڑھ جاتی ہے۔" اعظم بھائی آج اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" اسے بھی غصہ آیا۔

"میں یہ بچی تمہارے حوالے نہیں کروں گا' اس کی ماں نے میرے سپرد کیا تھا اسے' اس نے تو اس کے نام کے آگے تمہارا نہیں اس کے دادا کا نام لکھوایا ہے۔"

"وہ کون ہوتی ہے میری بچی کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والی۔" ہاشم مشتعل ہوا۔

"اس کی ماں ہے وہ، اس نے جنم دیا ہے اسے۔" اعظم بھائی نے یاد دلایا۔

"لیکن میں اسے لے کر ہی جاؤں گا۔" ہاشم ضدی انداز میں بولا۔

"تو ٹھیک ہے اگر اپنی بہن کی تیرہ سال کی بے اولادی پر تمہیں رحم نہیں آتا تو لے جاؤ چھین کر اس سے۔" وہ ناراض انداز سے گویا ہوئے۔

"تم لوگ کتنے ظالم ہو، میری گود اجاڑو گے، تمہیں شرم نہیں آتی، بڑی بہن ہوں میں تمہاری۔" ہاشم کی بہن خولہ جذباتی ہو کر رو پڑیں۔

"اتنے سے تھے تم، جب سارا سارا دن تمہیں گود میں اٹھا کر پھرا کرتی تھی میں۔ اماں نے کم اور میں نے زیادہ پالا تھا تمہیں، اپنی راتوں کی نیندیں حرام کیے رکھیں تمہارے لیے۔" انہوں نے روتے ہوئے اسے یاد دلایا۔ ہاشم پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"اسے کسی کا بھی احسان یاد نہیں خولہ آپا! کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں آپ۔" اعظم بھائی نے بھی اپنی نم آلود آنکھوں کو صاف کیا۔ ہاشم بالکل ہی ڈھے گیا۔ وہ سر جھکائے کسی مجرم کی طرح بیٹھ گیا۔

"تم اسے لے کر گئے تو قسم اللہ پاک کی خودکشی کر لوں گی میں۔" خولہ آپا نے جذباتی لہجے میں دھمکی دی۔

"تو میں کیسے رہوں گا اس کے بغیر۔" ہاشم کا لہجہ بھیگا۔

"تم تو مرد ہو گھر میں ڈال کر بھول جاؤ گے اسے، بیٹی کی تربیت کا کہاں وقت ہو گا تمہارے پاس۔" خولہ آپا نے غصے سے کہا۔ اس دفعہ شاید ہاشم کی سمجھ میں بھی بات آگئی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن اس کا نام میں رکھوں گا۔" وہ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"ہاں ہاں رکھ لو، لیکن اسے لے جانے کی بات مت کرنا۔" خولہ آپا کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ہاشم نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

اس کا اپنا چہرہ بھی آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

بختاور کے بعد بیٹی کی جدائی نے اسے بالکل ہی نڈھال کر دیا تھا، اسی وجہ سے وہ چھ ماہ کے بعد ہی اپنے بزنس پارٹنر کے ساتھ امریکہ شفٹ ہو گیا۔ کچھ سالوں تک تو وہ بیٹی سے ملنے کے لیے آتا رہا اور پھر ایک دن کسی لڑائی جھگڑے میں اس کے زخمی ہونے کی اطلاع آئی اور پھر وہ لاپتا ہو گیا۔ پانچ سال کے بعد اعظم بھائی کے کسی دوست نے ہی بتایا تھا کہ ایک مذہبی بحث میں ہونے والے جھگڑے کے بعد ہاشم کو کسی نے قتل کر دیا تھا لیکن اس کی ڈیڈ باڈی یا باقی معاملات کے لیے کسی نے بھی ہاشم کی فیملی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایک معمہ بن گیا اور کسی نے بھی اس کی تصدیق یا تردید نہیں کی تھی۔

☼ ☼ ☼

عدینہ کن اکھیوں سے ڈاکٹر جلال کو عقیدت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جب سے اسے پتا چلا تھا کہ آپا صالحہ کا ان کے ساتھ خونی رشتہ ہے۔ عدینہ کے دل ودماغ میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی لیکن اس بات کو ذرا ٹال جانا ہی مناسب تھا کیونکہ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ آپا صالحہ کا ذکر اس گھر میں اچھے لفظوں میں نہیں کیا جاتا اور جیتے جی ان کی موت کا اعلان کرنے کے پیچھے کوئی بہت بڑی وجہ تھی۔

لیکن یہ بات اس کے لیے سخت تعجب کا باعث تھی کہ ڈاکٹر جلال جیسی ویل ایجوکیٹڈ فیملی سے تعلق رکھنے والی آپا صالحہ نے مولوی رفیق میں کیا دیکھا اور وہ آپا کو کہاں ٹکرائے، سوالات کی ایک لمبی فہرست تھی اور اسے معلوم تھا کہ اس بات کے پیچھے کچھ اسرار بھی چھپے ہوئے ہوں گے لیکن آپا صالحہ کی اس خطرناک بیماری نے اسے وقتی طور پر ہر چیز بھلا دی تھی۔

عدینہ اس وقت ڈاکٹر جلال کے کلینک میں موجود

تھی، جو آپا صالحہ کی رپورٹس کو ہاتھ میں پکڑے سنجیدگی سے پڑھنے میں مصروف تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلی تشویش اور سنجیدگی، عدینہ کو خوف زدہ کر رہی تھی۔

"آپ کی والدہ اس وقت کہاں ہیں؟" ڈاکٹر جلال نے ایک لمبا سانس لے کر اپنا نفیس چشمہ میز پر رکھا اور عدینہ کا پریشانی میں ڈوبا ہوا چہرہ غور سے دیکھا۔

"وہ تو گاؤں میں ہیں بڑے ابا۔" عدینہ ہلکا سا جھجک کر بولی۔

"ان کو فوراً بلوائیں اور پہلی فرصت میں سرجری کروائیں ورنہ۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گئے۔

"ورنہ کیا۔۔۔؟" عدینہ کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

"ایسے حالات میں دیر کرنا دانش مندی نہیں۔" وہ مختصراً بہت کچھ کہہ گئے تھے۔

"لیکن بڑے ابا۔۔۔؟" وہ آنے والے دنوں کا سوچ کر گھبرا گئی۔

"میں آپ جیسی بہادر اور سمجھ دار لڑکی سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ ان حالات میں اوریدا کی طرح ری ایکٹ کرے گی۔" وہ ان کی بات پر ایک دم شرمندہ ہوئی لیکن وہ انہیں بتا نہیں سکی کہ ماں ایک ایسا رشتہ ہے جس کے سامنے بڑے بڑے سرپھرے بھی بے بس ہو جاتے ہیں۔ ماں کی تکلیف کو اپنی آنکھوں کے سامنے برداشت کرنا کسی پل صراط پر چلنے کے مترادف تھا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں عدینہ۔۔۔" بڑے ابا کی بات پر وہ جبراً مسکرائی، اسے اس وقت ایسے ہی کسی دلاسے کی ضرورت تھی۔

"تھینک یو۔۔۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"پھر آپ کب لا رہی ہیں انہیں۔۔۔؟" انہوں نے آپا صالحہ کی فائل بند کی۔

"جب آپ کہیں، لیکن اس سے پہلے مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا تھا۔" وہ کشمکش کا شکار ہوئی۔

"ہاں ہاں، پوچھیں۔۔۔" انہوں نے اپنا چشمہ دوبارہ لگا لیا تھا۔

"اس پروسیجر پر کتنے اخراجات ہوں گے۔۔۔؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل پوچھا۔

"اخراجات کی تم ٹینشن مت لو، یہ سرجری تو ہمارے اپنے ہاسپٹل میں ہو جائے گی، میں اپنے کولیگ سے کہہ دوں گا۔" انہوں نے اس کا مسئلہ سمجھتے ہوئے اپنی طرف سے بہترین حل نکالا۔

"لیکن پھر بھی پتا بھی تو چلے۔۔۔" وہ اس دفعہ پورا زور لگا کر زبردستی مسکرائی۔

"بیٹیاں ایسی باتیں کرتے ہوئے اچھی نہیں لگتیں۔" انہیں اس کی خودداری اچھی لگی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بڑے ابا! لیکن میری مدر ایسے آپریشن کروانے کے لیے ہرگز راضی نہیں ہوں گی۔" عدینہ نے انہیں اصل مسئلہ بتایا۔

"دیکھیں بیٹا! یہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے، ہم لوگ مہینے میں دو تین سرجریز مفت میں کر رہے ہیں اور ویسے بھی آپ اوریدا کی فرینڈ ہیں اور میں آپ کو ہمیشہ اس کی طرح سمجھتا ہوں، ہم لوگ کیسے آپ سے فیس وغیرہ چارج کر سکتے ہیں، اٹس کمپلیٹلی امپاسبل۔۔۔" بڑے ابا کا نرم لہجہ عدینہ کے دل میں اتر تا جا رہا تھا۔

✺ ✺ ✺

اس دن شاید سورج مغرب ہی سے نکلا تھا۔

آغا جی نے انتہائی غصے سے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھولا اور پوری قوت سے بند کیا۔ ان کا چہرہ سرخ اور کنپٹیاں غصے کی زیادتی سے پھڑک رہی تھیں۔ ڈائننگ روم میں کھڑی بینش نے تعجب سے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا۔

"کدھر ہے یہ ارحم، کیا تماشا بنا رکھا ہے اس نے۔" خلاف معمول اور خلاف عادت آغا جی ایک دم ہی بھڑکے۔

"کیا ہوا آغا جی۔۔۔" وہ بوکھلا کر فریج کا دروازہ بند کرنا بھول گئیں۔

"ناک کٹوا کر رکھ دی ہے اس لڑکے نے اور۔۔۔" غصے کی زیادتی سے وہ اپنا فقرہ مکمل نہیں کر سکے۔

"کیا ہوا آغا جی ۔۔۔؟" ہزاروں اندیشوں نے ایک ساتھ بینش کا دامن پکڑا۔ بھلا آغا جی کب ارصم کے لیے ایسا لہجہ استعمال کرتے تھے۔

"تمہیں پتا نہیں ہے موصوف نے کیا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔" انہوں نے صدمے سے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"آپ بتائیں گے تو پتا چلے گا ناں ۔۔۔؟" ان کا دل بے ربط انداز میں دھڑکا۔

"پروفیسر راضیہ جیلانی نے کال نہیں کی تمہیں؟" انہوں نے جانچتی نگاہوں سے اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھا۔

"ن ۔۔۔ نہیں تو ۔۔۔ کیا انہوں نے بات کرنی تھی مجھ سے۔" وہ پریشان ہو کر ان کے قریب چلی آئیں۔

"ویسے یہ ارصم ہے کہاں ۔۔۔؟" انہوں نے ان کی بات کا جواب دیے بغیر اگلا سوال کیا۔

"ابھی گھر نہیں آیا ۔۔۔" بینش نے فوراً جواب دیا۔

"اور آج آئے گا بھی نہیں ۔۔۔" وہ طنزیہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہوا کیا ہے آغا جی! کچھ تو بتائیں کیوں میری جان نکال رہے ہیں آپ۔" وہ خوف زدہ انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"تھرڈ پراف میں دو سبجیکٹس میں فیل ہو گیا ہے تمہارا چہیتا بیٹا۔" آغا جی نے ان کے اعصاب پر وہ بم گرا ہی دیا، جسے سن کر وہ خود حواس باختہ انداز میں گھر کی طرف بھاگے تھے۔

"یہ کیسے ممکن ہے آغا جی! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں بھی نہیں مانا تھا خود پروفیسر راضیہ جیلانی سے پیپرز نکلوا کر دیکھے ہیں میں نے اس کے۔"

"تو ۔۔۔؟" بینش کا دماغ چکرانے لگا۔

"انہوں نے تو پھر بھی لحاظ کر کے چند نمبر دے ہی دیے، اگر میرے یا تمہارے پاس آتا اس کا پیپر تو ہم اتنے بھی نہ دیتے۔" آغا جی کے تلخ انداز سے بینش کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خود اس وقت کس سچویشن سے گزر رہے تھے۔

"لیکن ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا آغا جی ۔۔۔" بینش کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"مجھے جنرل پتھالوجی کے پروفیسر عبید الرحمٰن نے بتایا ہے کہ اس سال بہت مایوس کن رہی ہے اس کی پرفارمنس ۔۔۔" آغا جی نے بینش کے غبارے میں ایک اور سوئی مار کر رہی سہی کسر بھی نکال دی۔

بینش کا دل پاتال کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا جا رہا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح مدد لینے کے لیے بڑے ابا کے پاس پہنچیں جنہوں نے بہت سپاٹ انداز سے ان کی ساری بات سنی کیونکہ اور یدا والے معاملے کے بعد ارصم ان کے پسندیدہ افراد کی لسٹ سے باہر نکل چکا تھا اور بینش اس بات سے بے خبر تھیں۔

"تمہیں خود دھیان دینا چاہیے تھا اس پر ۔۔۔" انہوں نے خلاف توقع سارا ملبہ بینش کے سر پر ڈال دیا۔ واش روم سے باہر نکلتی بڑی اماں ڈریسنگ میں ہی کھڑی رہ گئیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے میاں اپنی لاڈلی بھتیجی سے بھی ایسا کہہ سکتے ہیں۔

"تایا ابا! آپ خود بتائیں کیا ارصم جیسے بچوں کو بھی کسی کی ہیلپ کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"جب بچوں کا دھیان پڑھائی سے ہٹ کر اوٹ پٹانگ چیزوں کی طرف لگ جائے تو اس کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔" بڑے ابا کی بدلحاظی پر وہ چونکیں۔

"تایا ابا! ارصم ایسا بچہ نہیں ہے آپ اچھی طرح جانتے ہیں ۔۔۔" انہوں نے ناراضی سے یاد دلایا۔

"سارے والدین کو اپنے بچوں کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمی ہوتی ہے، تم ویزی کا حال بھول گئی ہو۔" وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئے۔ "مجھے کب امید تھی کہ وہ ایسا قدم اٹھائے گی۔"

"تایا ابا! برا مت مانیے گا ویزی اور ارصم میں زمین

و آسمان کا فرق ہے' میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔" بینش کے زعم بھرے انداز پر بڑے ابا طنزیہ انداز میں مسکرائے۔ بینش نے الجھ کر ان کی طرف دیکھا۔

"ارصم اور ویزی میں کوئی فرق نہیں' اس نے بھی وہی حرکت کرنے کی کوشش کی' جو میری بیٹی نے کی تھی۔" بڑے ابا کی بات پر بینش کو زوردار جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟"

"اس نے اوریدا کو کورٹ میرج کرنے کی آفر کی اور جب اس نے انکار کیا تو اس سے خفا ہو گیا۔ بولو کیا فرق ہے میری بیٹی اور تمہارے بیٹے میں۔" بڑے ابا نے آج وہ بات اگل ہی دی جسے وہ کئی ماہ سے اپنے دل میں چھپائے بیٹھے تھے۔ ڈریسنگ روم میں کھڑی بڑی اماں کے پیروں کے نیچے سے بھی زمین کھسکی۔

"میں نہیں مان سکتی' میرا بیٹا ایسا نہیں کر سکتا۔" بینش ایک دم بھڑک کر کھڑی ہو گئیں۔

"اس نے ایسا ہی کیا تھا' اسی ناراضی کی بنا پر میں نے اس کی منگنی کی تقریب کا بائیکاٹ کیا تھا۔" بڑے ابا نے ایک اور راز فاش کیا۔

"لیکن۔۔۔" بینش کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا۔

"یقین نہیں آتا تو بلواؤ اسے' میرے سامنے پوچھو' میں دیکھتا ہوں وہ کیسے انکار کرتا ہے۔" ڈاکٹر جلال اپنے مخصوص جلالی انداز میں بولے۔

"اسے اوریدا نے ورغلایا ہو گا۔" وہ خود کو سنبھال کر تنفر انداز میں بولیں۔

"بس کر دو بینش! بس کر دو' مان لو' تمہارا بیٹا کوئی فرشتہ نہیں ہے' اس کی تربیت میں کہیں نہ کہیں تم سے بھی کوتاہی ہوئی ہے' اس سے تو اچھی تیمور کی بیٹی نکلی' بن ماں کی بچی' اس کو کس نے سکھائی ہو گی اچھائی اور برائی کی تمیز۔۔۔؟" وہ جھنجلا کر گویا ہوئے' اب اس سے زیادہ بڑی اماں کے بس میں نہیں تھا کہ وہ ڈریسنگ میں کھڑی رہتیں۔

"آج تو یقین آ گیا ناں' میں نے ویزی کی تربیت ایسے نہیں کی تھی' کون ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد ایسا قدم اٹھائے۔" وہ رنجیدہ انداز میں بینش کا دھواں دھواں سا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"شیطان کے شر اور برے وقت سے پناہ مانگنی چاہیے' جو انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔"

وہ خاموشی سے آ کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے یا لہجے میں کوئی طنز کی آمیزش نہیں تھی' صرف اور صرف دکھ اور غم کی شدت تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا عدینہ' ارصم کا اتنا برا رزلٹ کیسے آ سکتا ہے۔" اوریدا نے لب سے نکلتے ہوئے افسردگی کے عالم میں کہا' اسے کالج پہنچتے ہی یہ بری خبر ملی تھی۔ ارصم کے کلاس فیلوز سخت حیران و پریشان تھے کہ اس جیسا لائق فائق اسٹوڈنٹ فیل کیسے ہو سکتا ہے۔

"اس نے پیپر بھی تو خاصی ٹینشن میں دیے تھے' یاد نہیں' اس کی پھپھو آئی ہوئی تھیں اسٹریلیا سے۔"

عدینہ نے اسے یاد دلایا۔

"وہ جتنا بھی ڈسٹرب ہو' ایسا رزلٹ تو کبھی بھی نہیں آیا اس کا۔" اوریدا سخت افسردہ تھی۔

"ہاں' کم از کم ارصم سے اس چیز کی توقع نہیں کی جا سکتی۔" عدینہ نے بھی کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"بڑے ابا' بڑی اماں اور حتی کہ پاپا بھی شاکڈ ہیں ابھی تک۔" اس نے چلتے چلتے اپنے گھر کی سچویشن بتائی۔

"بات بھی تو چھوٹی نہیں ہے۔" عدینہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"بڑے ابا تو بہت ہی خفا ہیں اس سے۔"

"اور اس کی ممی کا کیا حال ہے؟ کیا کہتی ہیں وہ؟" عدینہ کو ایک دم ہی تجسس ہوا۔

"ان کا حال تو مت ہی پوچھو۔" اوریدا چلتے چلتے بوگن ویلیا کی بیل کے نیچے رک گئی۔

"پھر بھی پتا۔ تو چلے۔"

"وہ تو صدمے سے بیمار پڑ گئی ہیں' پچھلے تین دن سے ہوسپٹل بھی نہیں گئیں اور آغاجی کو بھی اتنے غصے میں' میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" اوریدا نے اسے مزید بتایا۔

"اور خود ارصم کا کیا کہنا ہے؟" عدینہ نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

"وہ تو آج کل ہمیں بھی دکھائی ہی نہیں دیتا' نہ گھر میں اور نہ کالج میں۔ پتا نہیں کر کیا رہا ہے۔" اوریدا اس کے لیے ٹھیک ٹھاک پریشان تھی۔

"تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے اوریدا! اسے تمہاری ضرورت ہو گی اس سچویشن میں۔" عدینہ کی بات پر وہ حیران ہوئی۔

"میں کیسے بات کر سکتی ہوں اس سے؟"

"کیوں' تمہیں کیا پرابلم ہے؟" عدینہ نے حیرانی سے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"پتا تو ہے' تمہیں' کافی عرصے سے بات چیت بند ہے ہماری' اور سچ پوچھو تو اب پہلے جیسی بے تکلفی سے بات ہو بھی نہیں سکتی۔" اوریدا نے اپنی مشکل بیان کی۔

"لیکن اوریدا' اس وقت اسے کسی نہ کسی کی ضرورت ہو گی' اگر یہ بات ہمارے لیے پریشان کن ہے تو اس کے لیے تو بہت بڑا شاک ہو گا۔" عدینہ کی پریشانی بھی کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"کیا کر سکتے ہیں ہم' پیپرز اس نے دیے ہیں' اسے آل ریڈی اس رزلٹ کا پتا ہو گا۔" اوریدا نے صاف گوئی سے کہا۔ وہ دونوں چلتے چلتے پارکنگ میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ اچانک عدینہ کی نظر سامنے کھڑی گاڑی پر پڑی۔

"یہ ارصم ہے ناں؟" عدینہ کو ایک دم دھچکا لگا' اس کی نظروں کے تعاقب میں اوریدا نے دیکھا تو اسے بھی شاک لگا' ارصم اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اسموکنگ کر رہا تھا۔

"یہ اسموکنگ بھی کرتا ہے کیا؟" عدینہ نے حیرانی سے اوریدا کا پریشان چہرہ دیکھا۔

"نہیں۔" اوریدا کے منہ سے بمشکل نکلا۔

"اسٹائل تو ایسا ہے جیسے کوئی چین اسموکر ہو۔" عدینہ کو اس کا سگریٹ پینا بالکل اچھا نہیں لگا تھا اس نے کھل کر ناگواری کا اظہار کیا۔

"تم رکو' میں پوچھتی ہوں اس سے۔" اوریدا جلدی سے اس طرف بڑھی جہاں ارصم نے اپنی گاڑی کھڑی کر رکھی تھی۔ اسی لمحے ارصم نے بھی اوریدا کو دیکھ لیا' اس نے جلتا ہوا سگریٹ گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے پھینکا اور فوراً گاڑی اسٹارٹ کی' اس سے پہلے کہ اوریدا اس تک پہنچتی' وہ بہت تیزی سے گاڑی پارکنگ سے نکال کر لے گیا۔ اوریدا پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ شرمندگی کے گہرے احساس کے زیر اثر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

☆ ☆ ☆

"میرا دل نہیں چاہتا پڑھنے کو۔" ارصم کی بات پر بینش کے پیروں کے نیچے سے زمین نکلی۔

انہیں زندگی میں پہلی دفعہ احساس ہو رہا تھا کہ اپنی

سب سے قیمتی متاع حیات کو برباد ہوتے دیکھنا کتنا اذیت ناک مرحلہ ہوتا ہے۔ انہیں قطرہ قطرہ زہر اپنی رگوں میں اترتا ہوا محسوس ہوا۔ ارصم آج کل ان کے ساتھ خوب آنکھ مچولی کھیل رہا تھا' وہ سارا سارا دن گھر سے باہر رہتا اور کالج میں بھی اس کی حاضری نہ ہونے کے برابر تھی۔

اس دن بینش نے قسم کھالی تھی کہ وہ اس سے دو ٹوک انداز میں بات کرکے ہی سوئیں گی۔ وہ رات کے تقریباً" دو بجے گھر لوٹا تو لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی بینش کو دیکھ کر بوکھلا سا گیا۔

"کہاں سے آرہے ہو اس وقت...؟" انہوں نے کڑی نظروں سے اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھا' جو ان کے لیے آج کل امتحان بنا ہوا تھا۔

"کیوں کررہے ہو تم ایسا...؟ بینش کے انداز میں جھنجلاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

"مجھے خود پتا ہوتا تو آپ کو بھی بتا دیتا۔" اس کے چہرے کے تاثرات بینش کو اپنا مذاق اڑاتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"تم کالج کیوں نہیں جارہے' اور اسٹڈیز کی طرف دھیان کیوں نہیں دیتے۔" انہوں نے اپنے اندر سے اٹھتی اشتعال کی لہر کو بمشکل دبا کر اس سے پوچھا۔

"کہاں' اسٹڈیز سے دل اچاٹ ہوگیا ہے میرا..." وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے بینش کے ہوش اڑا گیا۔

"دو سال رہ گئے ہیں بیٹا' تمہارے ڈاکٹر بننے میں۔" انہوں نے اس دفعہ دنیا جہان کی نرمی بمشکل اپنے لہجے میں سمو کر کہا۔

"لیکن مجھے ڈاکٹر نہیں بننا..." ارصم کا لہجہ بے لچک اور انداز میں بغاوت تھی۔ بینش نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر برس پڑیں۔

"دماغ تو نہیں خراب ہوگیا تمہارا' ڈاکٹر نہیں بنو گے تو اور کیا کرو گے؟"

"میں نے ابھی خود اس... بارے میں نہیں سوچا۔" وہ نظریں چرا کر بولا۔

"پتا ہوگیا ہے تمہیں' یہ خناس کس نے بھرا ہے تمہارے ذہن میں' کیوں اپنی ماں کو اذیت دے رہے ہو۔" وہ گلا پھاڑ کر چیخیں۔

"آپ نے بھی تو ساری زندگی دوسروں کے ساتھ یہی کیا ہے۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"کیا کیا ہے میں نے...؟" وہ بھڑک کر بولیں۔

"سب پتا چل گیا ہے مجھے' آپ کی ڈائری نے سارے راز فاش کردیے ہیں آپ کے۔ ساری اصلیت کھول کر رکھ دی ہے۔" ارصم کے زہریلے انداز پر ان کا دل دھک کرکے رہ گیا۔

"میری ڈائری' کون سی ڈائری...؟" وہ بوکھلا گئیں۔

"وہ جو شادی سے پہلے آپ باقاعدگی سے لکھا کرتی تھیں' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا ممی! آپ کے اندر اتنا زہر بھرا ہوگا۔ اب پتا چلا ہے مجھے' آپ نے بڑے ابا کے گھر میں کیسے دراڑ ڈالی' انہیں اپنے ہی بچوں کے خلاف کیسے کیا؟ کیا ملا آپ کو یہ سب کرکے۔" وہ متنفر انداز میں کہتے ہوئے بینش کے وجود کے پرخچے اڑا رہا تھا۔ بینش کو ایسا لگا جیسے ان کی سماعتیں دھوکا دے رہی ہوں انہیں۔

"آخر کیا بگاڑا تھا انہوں نے آپ کا۔ کس چیز کے بدلے لیتی رہیں ان سب سے...؟ وہ متنفر لہجے میں بولا۔" اپنی جلائی ہوئی خود ساختہ حسد کی آگ میں کتنے لوگوں کو جلا کر بھسم کردیا آپ نے' طیبہ پھپھو کی زندگی کا غلط فیصلہ کرواکر کتنے نفلوں کا ثواب ملا آپ کو؟"

ارصم کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کے منہ سے نکلنے والے زہر آلود جملوں کے تیر بینش کی روح تک کو زخمی کر رہے تھے۔

"دیکھو بیٹا! تمہیں کچھ نہیں پتا..." انہوں نے گھبرا کر اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

"ممی! بس کردیں پلیز' آپ ابھی بھی کہتی ہیں' مجھے کچھ نہیں پتا؟" اس کا مشتعل انداز بینش کو خوف زدہ کر گیا۔ جوان اولاد کے سامنے اس طرح کی جواب دہی کا تو انہوں نے کبھی گمان تک نہیں کیا تھا۔

"تو تم ان لوگوں کے بدلے لو گے مجھ سے...؟" ان

کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"میں کون ہوتا ہوں بدلے لینے والا۔۔۔؟" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔ "وہ جو اللہ پاک کی ذات ہے ناں' اس نے سارے حساب قیامت کے دن پر نہیں چھوڑے' کچھ گناہوں کی سزا وہ دنیا میں بھی دے دیتا ہے۔ آپ ڈریں اس لمحے سے' جب مکافات عمل کے شکنجے میں پھنسیں گی آپ۔"

"میں نے جو کچھ کیا' اس کی ایک وجہ تھی۔۔۔" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"کوئی بھی وجہ اتنی بڑی نہیں ہوتی کہ آپ کسی کے مستقبل سے کھیل جائیں اور کسی سے اس کی اولاد کی شکل تک نہ دیکھنے کی قسم اٹھوالیں۔" اس نے شکوہ کناں نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"تو میرے ساتھ کون سا اچھا کیا تھا تیمور نے۔۔۔" ان کی زبان لڑکھڑائی۔

"کبھی آپ نے یہ سوچنے کی کوشش کی کہ انکل تیمور نے آپ کو کیوں چھوڑا؟ کون اپنی ڈاکٹر کزن کو چھوڑ کر ایک بی اے پاس معمولی سی لڑکی سے شادی کرتا ہے؟ کبھی نہیں خیال آیا آپ کے ذہن میں؟ کبھی سوچنے کی زحمت نہیں کی ہوگی۔ ہے ناں۔" وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ زہر اگل رہا تھا۔

"ارصم۔۔۔!" بینش پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں' ان کو ایسا لگا جیسے ان کا دل پھٹ جائے گا۔ ارصم لاؤنج سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا لیکن جاتے جاتے بینش کا سکون بھی غارت کر گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

اس دن نیلی کوٹھی میں کہرام مچا ہوا تھا۔۔۔

ایک تو بختاور کی موت کی اطلاع اور دوسرے تیمور اور بندیا کے انگلینڈ چلے جانے کی خبر نے ڈاکٹر جلال کو چراغ پا کر دیا تھا۔ وہ پورے گھر میں آگ بگولہ ہوئے پھر رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر گزرتے۔ دوسری طرف بینش کی حالت دیکھ کر ان

کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ بہت چاؤ سے رکھا تھا ناں تم نے اپنی بیٹی کا نام بختاور' وہ بختاور نہیں بدبخت تھی' دیکھ لو اس کا انجام۔" ڈاکٹر جلال کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"اور وہ تمہارا بیٹا' تیمور' اپنے منشی کی بیٹی کو لے کر بھاگ گیا۔۔۔ لعنت ہو تمہاری تربیت پر۔۔۔" ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔۔۔" شائستہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔

"جس طرح تمہاری بیٹی کا دردناک انجام ہوا ہے ناں' دیکھ لینا' یہ تیمور اس سے بھی بدترین حالات سے گزرے گا۔" ڈاکٹر جلال کی بددعا پر شائستہ بیگم کا دل کانپ گیا' انہوں نے خوف زدہ انداز میں اپنے شوہر کو دیکھا' جو آج کسی کو بھی بخشنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

دوسری طرف بینش نے اپنے پورشن میں طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔ اپنے کمرے کی ڈریسنگ کا شیشہ' کرسٹل کے ڈیکوریشن پیس' اور جو جو چیز اس کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے تباہ و برباد کر ڈالی۔

"تیمور نے اس دو ٹکے کی لڑکی کو مجھ پر فوقیت دی۔" سوجن زدہ آنکھیں' سرخ ناک۔ ننگے پاؤں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

"جب انسان کی عقل ساتھ چھوڑ جائے تو وہ ایسے ہی فیصلے کرتا ہے۔" آغا جی نے اپنی بیٹی کا بازو پکڑا جو حرارت سے جھلس رہا تھا' اور زبردستی اسے بیڈ پر بٹھایا۔ اس کا چہرہ کسی ان دیکھی آگ کی حدت سے دہک رہا تھا۔

"آپ بلوائیں منشی کو اور پوچھیں' اس گھٹیا کام کے لیے بھجوایا تھا اپنی آوارہ بیٹی کو۔" وہ گلا پھاڑ کر چیخی' اس کی حالت دیکھ کر آغا جی کا دل ڈوبنے لگا۔

"بیٹا! اس میں اس کے والدین کا کیا قصور ہے۔۔۔" انہوں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"تو پھر آپ کا قصور ہے۔ جو اس غلیظ پوٹلی کو اٹھا کر گھر

لے آئے' کم ذات تھی ناں' اپنی اوقات دکھا ہی دی اس نے۔" بینش کے اعصاب تن گئے۔

"ہاں۔ اس میں میرا ہی قصور ہے' اسے پہچان نہیں سکا۔" آغا جی کے بوڑھے کندھے جھک گئے۔

"میں چھوڑوں گی نہیں تیمور کو۔" بینش اپنے باپ کے سامنے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"بیٹا! حوصلہ کرو' دنیا ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔" آغا جی نے اسے دلاسا دیا۔

"میری دنیا ختم نہیں ہوئی آغا جی! اس نے مجھ سے میری ذات کا غرور چھین لیا' لوگ کیا کہیں گے' اتنی قابل لڑکی کو چھوڑ کر اس کے منگیتر نے ایک غریب منشی کی بیٹی سے شادی کرلی' کسی کو لانا ہی تھا میرے مقابل تو برابری کا تو خیال رکھتا۔" بینش کو دکھ سے زیادہ ہتک کا احساس ستا رہا تھا۔

اور اسی وجہ سے رات کو اس کا ہلکا سا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ جس نے سارے گھر والوں کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ ڈاکٹر جلال' اپنی بیگم کے ساتھ فوراً" ہی اسپتال پہنچے۔

کافی گھنٹوں کے بعد اسے ہوش آیا تھا' اور اپنے سامنے ڈاکٹر جلال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے ایک دفعہ پھر آنسو بہنے لگے' اپنی اکلوتی بھتیجی کی یہ حالت دیکھ کر ڈاکٹر جلال کو ایک دفعہ پھر تیمور پر بے تحاشا غصہ آیا۔ ان کے ساتھ ـــ شائستہ بیگم بے بس انداز سے دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھیں۔ ویسے بھی تایا اور بھتیجی کی موجودگی میں وہ ہمیشہ پس منظر میں چلی جاتی تھیں۔

"وہ بے وقوف تمہارے قابل ہی نہیں تھا۔" وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر بولے۔

"تایا ابا! کیا کمی تھی مجھ میں۔؟" بینش ایک دفعہ پھر رو پڑی۔

"کمی تم میں نہیں' اس میں تھی اور وہ بھی عقل کی ـــ" وہ متنفر لہجے میں گویا ہوئے۔

"اس نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔" بینش کو اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں تھا' بار بار تصور میں بندیا

کا ہنستا ہوا چہرہ اسے اپنا منہ چڑاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھک گیا تھا۔

"تم دیکھنا تو سہی' اب میں کیا حشر کروں گا اس کا' ڈاکٹر جلال نے اس کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"آپ وعدہ کریں مجھ سے۔" بینش نے صدمے بھرے انداز میں ڈاکٹر جلال کا ہاتھ پکڑا' شائستہ بیگم نے ہراساں نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ تیمور سے کبھی بات نہیں کریں گے۔" بینش کی اس فرمائش پر شائستہ بیگم کا رنگ فق ہوا۔

"اسے ساری زندگی اپنے گھر میں قدم رکھنے نہیں دیں گے۔" بینش کی اگلی فرمائش پر بڑی اماں کا دل اتنی تیزی سے دھڑکا کہ انہوں نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"میں اس خبیث کو ساری زندگی منہ نہیں لگاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔"

ڈاکٹر جلال کے لہجے میں اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے اس قدر نفرت اور بیزاری تھی کہ شائستہ بیگم کی ٹانگیں بری طرح کپکپانے لگیں۔ انہوں نے التجائیہ نگاہوں سے بینش کی طرف دیکھا' جس نے غصے سے منہ پھیر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

انڈیا کی کیرالہ اسٹیٹ میں واقع جامعہ دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی میں ڈاکٹر رضا کا آج آخری لیکچر تھا۔

پورا آڈیٹوریم اسٹوڈنٹس سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور کوئی سیٹ خالی نہیں تھی' کچھ اسٹوڈنٹس جگہ نہ ملنے کی وجہ سے آڈیٹوریم کی سیڑھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پورے ہال میں اتنا سناٹا تھا کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی نہ دیتی۔

ڈاکٹر رضا موجودہ دور کے مسائل کا حل قرآن پاک کی روشنی میں بتا رہے تھے۔ ان کا انداز اتنا متاثر کن تھا کہ لوگوں کا پورا وجود مجسم سماعت بنا ہوا تھا۔ لیکچر کے

بعد پورے دو گھنٹے کا سوال و جواب کا سیشن تھا ' وہ انتہائی مشکل سوالات کے جوابات قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں دے رہے تھے۔ اس سیشن کے بعد طلبہ نے انہیں گھیر لیا۔ وہ اب آٹوگراف اور تصاویر میں گھن چکر بن کر رہ گئے تھے۔

"اس شخص کے پاس معلومات کا ایک سمندر ہے۔" ایک اسٹوڈنٹ نے لیکچر کے اختتام پر کھل کر تبصرہ کیا۔ اس وقت اسٹوڈنٹس کا ایک پورا گروپ ہال کے باہر کھڑا عقیدت بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں دلائل کا ایک سمندر ہے جو ان کی گفتگو میں بہتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔" دوسرے اسٹوڈنٹ نے بھی کھل کر انہیں سراہا۔

"میں تو آج پانچ گھنٹے کا سفر کر کے پہنچا تھا ان کے لیے 'لیکن ایک تصویر بنوانے کا موقع نہیں مل رہا۔" ایک اور نے حسرت بھری نگاہوں سے ڈاکٹر رضا کو دیکھا جو ایڈمنسٹریشن کے لوگوں کے ساتھ کانفرنس ہال کی طرف جا رہے تھے۔

"ان کا نیکسٹ لیکچر کہاں ہے اب۔۔۔؟" گروپ میں سے کسی نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

"وہ تو اب جا رہے ہیں ہمیشہ کے لیے پاکستان۔۔۔" کسی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"پاکستان۔۔۔؟" بہت سی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

"کس نے بتایا۔۔۔؟" کچھ اسٹوڈنٹس کو بالکل یقین نہیں آیا۔

"پروفیسر فاروق گیلانی نے۔۔۔" وہی لڑکا دوبارہ بولا۔

"اوہ نو۔۔۔" مایوسی میں ڈوبی ہوئی کچھ آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر پروفیسر فاروق نے اطلاع دی ہے تو یہ غیر مصدقہ نہیں ہوگی۔

"اب ہم ان کو کیسے سنیں گے۔۔۔؟" کسی نے مایوس لہجے میں کہا۔

"ڈونٹ وری' ان کے سب لیکچرز یوٹیوب پر موجود ہیں۔" ایک اسٹوڈنٹ نے تسلی دی۔

"لیکن اس میں وہ مزا کہاں 'جو سامنے بیٹھ کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال جواب میں ہے۔" ایک شرارتی لڑکے کے جملے پر سب لڑکے بے ساختہ ہنس پڑے۔ جامعہ دار الہدیٰ میں اپنا آخری لیکچر دے کر ڈاکٹر رضا ایئرپورٹ کی طرف نکل چکے تھے لیکن وہ دار الہدیٰ کے اسٹوڈنٹس کے دلوں پر اپنا ایک انمٹ نقش چھوڑ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

آپا صالحہ کی طبیعت دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت حال یہ تھی کہ وہ کسی صورت بھی سرجری کے لیے تیار نہیں ہو رہی تھیں' کوئی خوف تھا جس نے آکٹوپس کی طرح ان کے وجود کو جکڑ لیا تھا۔

"آپا! اوریدا کے دادا کہتے ہیں ہمیں فوراً سرجری کروانی چاہیے۔" عدینہ نے انہیں دوائی کھلاتے ہوئے فکر مند انداز سے کہا۔

"مجھے نہیں کروانی۔۔۔" انہوں نے جھٹ سے انکار کیا۔

"لیکن کیوں۔۔۔؟" عدینہ نے حیرانی سے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے 'میں آپریشن تھیٹر سے زندہ واپس نہیں آؤں گی۔۔۔" انہوں نے عدینہ کی بے تحاشا ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر اصل بات اگل دی۔

"آپا! زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔" عدینہ جھنجلا گئی۔

"میں تمہیں ڈاکٹر کے روپ میں دیکھے بغیر نہیں جا سکتی۔" وہ بچوں کی طرح ضد کر کے بولیں۔

"اگر وقت پر سرجری نہ ہوئی تو۔۔۔" عدینہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی بات مکمل کر سکے۔

"کچھ نہیں ہوگا مجھے۔۔۔" آپا نے بڑی سرعت سے اس کا ذہن پڑھا۔

"بے بے! آپ سمجھائیں نا انہیں' اچھی خاصی

پڑھی لکھی ہوئیں آپ کی اور بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہیں۔" عدینہ جھنجلا کر خاصا غلط بول گئی۔

"تمہیں کس نے کہا میں ایجوکیٹڈ ہوں۔۔۔؟" آپا نے ہراساں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس لیے کہ کوئی ان پڑھ خاتون "ایجوکیٹڈ" لفظ استعمال نہیں کر سکتی۔" عدینہ نے بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"پتر! بات مان لے عدینہ کی' آپریشن کروا لے' اس میں تیرا ہی فائدہ ہے۔" بے بے نے گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔ عدینہ نے سکون کا سانس لیا۔

"بے بے! ڈاکٹرز چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے مجھے۔ لاش ہی واپس آئے گی میری۔۔۔" "انہیں بھی غصہ آ گیا۔

"آپا! آپریشن نہیں کروانا تو مت کروائیں' لیکن یہ مرنے مارنے والی باتیں مت کریں۔" عدینہ ناراضی سے کہتی بولی۔

"ٹھیک ہے' میں کروا لیتی ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے میری بھی۔۔۔" ان کے ہونٹوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ دوڑی۔

"کیا مطلب آپا۔۔۔"

"میں اس جمعہ کو تمہارا اور عبداللہ کا نکاح پڑھوانا چاہتی ہوں۔۔۔" آپا کی بات پر عدینہ کو شاک لگا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔؟" وہ بوکھلا گئی۔

"کم از کم آپریشن تھیٹر میں جاتے ہوئے مجھے یہ تسلی تو ہو گی' میری بیٹی کا مستقبل محفوظ ہے۔" ان کے لہجے میں چھپے وہم اور اندیشے کو وہ سمجھ سکتی تھی' لیکن یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی' ایک لمحے کو تو عدینہ کا ذہن ہی بھک کر کے اڑ گیا۔

"یہ تو بڑا ہی نیک کام ہے اور نیک کام میں دیر کیسی۔" بے بے اپنے پوپلے منہ کے ساتھ مسکرائیں۔

"وہ سن کر پھر بھاگ جائے گا کہیں اور۔۔۔" عدینہ ابھی تک عبداللہ سے خفا تھی۔

"اس دفعہ نہیں بھاگے گا' کیونکہ اس بار اس نے خود کہا ہے مجھ سے۔" آپا صالحہ کی بات پر عدینہ کا منہ حیرت سے کھلا اور بند ہونا بھول گیا۔ دو دن کے بعد نکاح نامے پر دستخط کرتے وقت بھی عدینہ بے یقین تھی اور آپا صالحہ اب مطمئن ہو کر سرجری کروانے پر تیار ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اپنے کزن کی شادی اٹینڈ کرتے ہی' فوراً" واپس آجانا۔" شانزے' رباب کے ساتھ راولپنڈی ایئرپورٹ پر موجود تھی' رباب کو اپنے چچا زاد کزن کی شادی اٹینڈ کرنے کے لیے کراچی جانا تھا اور شانزے اسے ایئرپورٹ پر چھوڑنے آئی تھی' فلائیٹ ایک گھنٹہ لیٹ تھی۔ وہ دونوں ایئرپورٹ لاؤنج میں کھڑی تھیں' پاس ہی رباب کا چھوٹا سا ہینڈ کیری رکھا ہوا تھا۔

"میں تو واپس آجاؤں گی' تم اپنی پھپھو کو کب ملواؤ گی اپنے کیوٹ سے ہیرو سے۔۔۔؟" رباب نے اسے چھیڑا۔

"وہ تو چھوٹی سی بات ہے۔۔۔" شانزے نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے مزے سے بتایا۔ وہ اس وقت بلیو جینز پر وائٹ ٹی شرٹ پہنے' اونچی سی پونی میں بالکل ایک معصوم سی گڑیا لگ رہی تھی۔

"بہت تیز ہو' مجھے کیوں نہیں بتایا۔۔۔؟" رباب برا مان گئی۔

"بتا تو رہی ہوں یار' ابھی شام میں تو بات کی ہے ان سے۔۔۔" وہ گاڑی کی چابی لاپروائی سے گھماتے ہوئے بولی۔

"اچھا' پھر کیا کہا انہوں نے۔۔۔؟" اسے تجسس ہوا۔

"آ رہی ہیں وہ نیکسٹ ویک اسلام آباد۔۔۔" شانزے نے مسکرا کر اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ویری گڈ' اس کا مطلب ہے کہ مجھے نیکسٹ ویک واپس آنا ہو گا۔" رباب کے بے ساختہ انداز پر وہ چونکی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' تم جھوٹ بول رہی تھیں مجھ سے' زیادہ دن رہنے کا ارادہ تھا تمہارا۔" شانزے

نے ہاتھ میں پکڑا کلچ زور سے اس کے کندھے پر مارا۔ وہ جو اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھی بوکھلا کر رہ گئی۔

"ارادہ تو کچھ یہی تھا لیکن اب مجبوری ہے۔" رباب نے اپنا کندھا سہلاتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

"ایک ہفتے سے ایک دن بھی اوپر کیا تو میں کراچی پہنچ جاؤں گی۔" وہ اپنا کی چین گھماتے ہوئے دھمکی آمیز انداز میں بولی' اور اس کا کی چین ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا' وہ جلدی سے اٹھانے کے لیے آگے بڑھی اور سامنے سے آتے ہوئے شخص سے ٹکرائی' جو انٹرنیشنل فلائیٹ سے ٹرالی میں اپنا کافی سامان رکھے باہر آرہا تھا' اس کے ہاتھ میں قرآن پاک کی انگلش میں تفسیر تھی۔

"او آئی ایم سوری انکل۔" شانزے بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔

لائیٹ گرے پینٹ کوٹ میں موجود شخص کا نفیس سا چشمہ دور جا گرا' اس کی کنپٹیوں پر موجود سفید بال اس کے وقار میں اضافہ کر رہے تھے' وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے اپنے سامنے موجود لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ جوان کا چشمہ اٹھا کر ان کی طرف بڑھا رہی تھی۔

"بختاور...!!!" اس شخص کے منہ سے بے اختیار پھسلا' شانزے کو جھٹکا لگا۔ اس نے ہکا بکا انداز میں اپنے سامنے موجود اس شخص کو دیکھا جو اپنے حلیے سے کوئی اسلامی اسکالر لگ رہا تھا۔ اس کی ٹرالی میں کتابوں کا ایک کارٹن رکھا ہوا تھا۔

"انکل! میرا نام بختاور نہیں ہے۔" وہ پریشان ہوئی۔

"تو پھر یقیناً" آپ کا نام شانزے ابراہیم ہے۔" وہ پراعتماد انداز میں گویا ہوئے۔

"آپ نے میرا ڈراما دیکھا ہے کیا...؟" شانزے کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا۔

"آپ ٹی وی ایکٹریس ہیں کیا...؟" اس شخص کا چہرہ تاریک ہوا۔ شانزے نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سوری... میں ٹی وی نہیں دیکھتا۔" وہ خود کو سنبھال کر سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"تو پھر آپ مجھے کیسے جانتے ہیں...؟" وہ الجھن کا شکار ہوئی۔

"میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اعظم ابراہیم کی بھتیجی اور خولہ ابراہیم کی بیٹی ہیں۔" شانزے کو شاک لگا۔

"آپ کیسے جانتے ہیں میری فیملی کو...؟" شانزے حیرانی سے دو قدم پیچھے ہٹی۔

اس نے اپنے سامنے کھڑے پچاس باون سالہ شخص کو غور سے دیکھا جس کے چہرے پر نرمی اور شفقت کا ایک دریا بہہ رہا تھا۔ شانزے کو اس کے نقوش جانے پہچانے سے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں جھماکا ہوا اور وہ اپنے لبوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف' حیرت اور بے یقینی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)